ضیاءدور کی اسلامائزیشن کے خواتین پر اثرات کا جائزہ

Analytical Study of Effects of Islamization on Women in Zia ul Ḥaq Era

Sidra Yasin
PST, CDG Boys Middle School Ramgarh colony
Lahore ksidra3858@gmail.com

Abstract

Islamiztaion in Zia Era has importance because many reforms and laws were introduced and applied in Pakistani Muslim society. This research article focuses on the restrictions on women during islamization and impacts on the Muslim women. The reforms about the women and their matters have been discussed and analyzed. Different experts' opinions have been also presented to elaborate the problems caused by the islamization. It can be concluded that there are some obsevations of the people about the laws introduced during the islamization. Most of the restrictions on women are according to the teachimgs of Islam. Although there are some observations about these reforms among the scholars that have been made clear by the writer.

Keywords: Zia ul Ḥaq Era, Islamization, Restrictions on Women,

پاکستان میں جنرل ضیاء الحق کی مارشل لاء حکومت نے بہت سے سیکولر اداروں کی تنظیم نو کی تاکہ انھیں اسلامی نظریے کے مطابق بنایا جاسکے۔ حکومت کے اسلامائزیشن پروگرام کے بارے میں بہت سے مبصرین کا خیال ہے کہ یہ اقدامات مذہبی کی بجائے سیاسی تھے۔اسلامائزیشن کے پروگرام سے زیادہ تر شہری خواتین متاثر ہوئیں۔ حکومت کے مختلف اقدامات اور صنفی پالیسوں سے خواتین کے عوامی کردار کو محدود کر دیا گیا۔ خواتین پر لگائی گئی مختلف نوعیت کی پابندیوں کے باعث خواتین کی سماجی، اقتصادی اور سیاسی ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہوئی۔ مذہبی اسکالرز نے خواتین کے قوانین کے بارے میں مختلف نوعیت کی تشریحات پیش کیں۔ مذہب اور ثقافت کو اس طرح ملایا گیا کہ عام لوگوں کے لیے اس میں فرق کرنا مشکل ہو گیا۔[1] اس مقالہ میں ضیاء دور میں خواتین پر عائد کی گئی پابندیوں کے اثرات کو بیان کیا گیا ہے اور ان کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

جنرل ضیاء نے 10 فروری 1979ء کے پہلے ایگزیکٹیو آرڈر میں حکومت کی طرف سے تشریح کردہ اسلامی عقائد کے مطابق ریاستی قوانین بنا کر اسلامائزیشن کے لیے اصلاحات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ خواتین کے حوالے سے قانون سازی کی اصلاحات کو حدود آرڈیننس کے نام سے جانا جاتا ہے۔[2] اس کے تحت جرائم کی سزائیں اسلامی قوانین کے مطابق دی جانے لگیں۔ چار صدارتی احکامات کے ذریعے شراب نوشی، زنا، چوری اور جھوٹے الزام سے متعلق سزائیں دی گئیں۔ چوری کے جرم کے لیے ہاتھ کاٹنا زنا کے جرم میں سنگسار کرنا اور مختلف جرائم کے لیے کوڑے مارنے کی سزائیں نافذ کی گئیں۔[3]

خواتین کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والا قانون زنا حدود آرڈیننس 1979ء تھا۔ یہی قانون زنا بالجبر کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ اس قانون نے زنا اور زنا بالجبر میں فرق نہیں کیا یہ قانون میں دونوں صورتوں میں

[1] Shehzadi Zamurrad Awan, "Impact of Zia –ul-Haq Gender Policies on Pakistani Society", Included in "*Pakistan Journal of History and Culture*", vol xxx vii, No 1, 2016, p. 21.

[2] Henry Korson and Michelle Maskiell, "Islamization and social Policy in Pakistan" The constitutional Crisis and the Status of Women," Included in "*Asian Survey*", Vol. 25, No. 6 (June 1985), p. 600.

[3] "Islamisation of an Islamic Republic", Included in "*Economics and Political*" weekly, Vol. 14, No. 23 (June-09-1979), p. 966.

یکساں سزا تجویز کرتا ہے۔اس آرڈیننس کو قانونی بنیادوں پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔[4] سب سے پہلے عصمت دری کے متاثرین کو مجرموں کے طور پر سزا دی گئی جس نے حقیقی مجرموں کو پناہ فراہم کی دوسرا قانون میں ایسے معاملات کی تفتیش کے لیے طریقہ کار کی خامیوں نے خواتین کو مزید کمزور کر دیا۔[5] دیہی علاقوں میں کچھ پاکستانی خواتین نے اس قانون کے تحت دی گئی سزا کو غیر مساوی پایا۔اس قانون کے تحت عدالتوں میں قابل قبول عصمت دری کا ثبوت حاصل کرنا بہت مشکل ہے اس کے لیے "حد" جس کی سزا سنگسار کرنا یا شدید کوڑے مارنا ہے کے لیے مطلوبہ ثبوت یا تو ملزم کا اعتراف جرم ہے یا کم از کم چار مسلم بالغ مردوں کی گواہی جو کہ جرم کے عینی شاہد ہوں اس کے مطابق سزائیں مردوں اور عورتوں دونوں پر یکساں طور پر لاگو نہیں ہوتیں۔ لہٰذا زنا کے قانون کو غیر مساوی سمجھا جاتا تھا۔[6] انیتا ایم ویس نے اس بارے میں رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

> "سزا اس قانون کے تحت انتہائی امتیازی انداز میں دی گئی۔ خواتین کو طبّی معائنے کے ذریعے زنا بالجبر کا قصوروار ثابت کیا گیا ہے۔ قانون کے ان حامیوں نے اس قانون سازی کو ثالثی بنا دیا۔"[7]

عاصمہ جہانگیر کے مطابق اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے خلاف طلاق کی درخواست دائر کرتی اور اپنا گھر چھوڑ دیتی جیسا کہ قانون میں ضروری ہے تو اس کا شوہر اپنی بیوی کے خلاف زنا کے الزام کو ترجیح دیتا۔[8]

بعض اوقات شوہر ضمانت کے لیے درخواست دیتا ہے اور عورت کے پاس اپنے ازدواجی گھر واپس آنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا ورنہ وہ ضمانت منسوخ کر سکتا ہے۔

---

[4] "*New Islamic Law"* (Lahore: Kauser Brothers, 1983), p. 11.

[5] Anita M. Weiss, "Women's Position in Pakistan:Socio–cultural Effect of Islamisation",Included in"*Asian Survey*",Vol. 25, No.08 (August 1985),p.870

[6] Michelle Maskiell, "The Impact of Islamization Polices on Pakistani women s lives, Montana State University, working paper, November 1984, p. 4.

[7] Anita M-weiss, "Women"s Position in Pakistan", p. 8.

[8] Rubya Mahdi, "*The Islamization of Law in Pakistan*", (London and New York: Routtedge Library Editions, Vol. 12, 1994), p. 38.

عاصمہ جہانگیر ایسے کیسز کے بارے میں بھی بتاتی ہے جہاں شادی شدہ جوڑوں کو دشمنی کی وجہ سے گرفتار کیا گیا ان کی اپنی مرضی سے شادی ہوئی ان پر اس قانون کے تحت زنا کا الزام لگایا گیا تھا۔ کراچی کی جیل میں 44 خواتین پر زنا کا الزام عائد کیا گیا ان میں سے نصف سے زائد پر اغوا کی وجہ سے زنا کا الزام لگایا گیا۔

اس کے علاوہ شادیوں اور طلاقوں کی رجسٹریشن کی ضرورت ہوتی ہے جس کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے طلاق دینے کے بعد شوہر جان بوجھ کر طلاق نامہ درج نہیں کرواتا۔ اگر طلاق یافتہ بیوی دوبارہ شادی کرے تو اس کا پہلا شوہر اس پر زنا کا الزام لگا سکتا ہے۔[9] زنا آرڈیننس کا غلط استعمال ہوتا رہا اور اس کے تحت نافذ کردہ سزاؤں کی زد میں بھی خواتین ہی آئیں مرد حضرات ثبوت نہ ہونے کے باعث اور گواہ موجود نہ ہونے کے باعث کاروائی سے بچ جاتے۔

1۔ قانون شہادت آرڈر 1984ء

قانون شہادت آرڈر دوسری قانون سازی بن گئی جس نے عورت کے مقام کو متاثر کیا۔ خواتین کو اب حد کے مقدمات میں بطور گواہ پیش ہونے کی اجازت نہیں تھی اور ثبوت کے قانون نے ان کی گواہی کو آدھے مرد کے برابر کر دیا تھا۔ مقدمات میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ قانونی چارہ جوئی کی دھمکی عصمت دری کے متاثرین کے لیے شکایت درج کرنے کی حوصلہ شکنی کا باعث بنی جن کے پاس اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے صرف خواتین گواہ تھیں۔[10]

بہت سے علماء اور مفسرین نے اس خاص قانون کو قرآن کے احکام کی غلط تشریح سمجھا۔ یہ قانون منفی تعصب کی بنیادی وجہ بن گیا۔ قرآنی آیات کی اصل روح کو نظر انداز کر دیا گیا۔ یہ قوانین حدود قوانین کی

[9]Rubya Mahdi, "*The Islamization of Law in Pakistan*", (London and New York: Routtedge Library Editions, Vol. 12, 1994), p. 38.

[10]Shehar – Bano Khan, "The truth about the Law" Dawn Access on, August 08, 2002,http www. Dawn.com/weekly /review / archive /020808/ review 2.htm.

تشریح پر اسلام کی حقیقی روح کی عکاسی نہیں ہیں۔ حدود کے قوانین کا مقصد کبھی بھی مرد اور عورت میں فرق کرنا نہیں تھا۔ مگر قانون شہادت آرڈر نے یہ فرق پیدا کر دیا۔[11]

2-خواتین کا بطور قاضی تقرر:

حکومت نے بعض خواتین کو قاضی بھی مقرر کیا تاکہ خواتین ججوں کی موجودگی میں متاثرہ خواتین اپنے موقف کا واضح طور پر دفاع کر سکیں۔ اس کے علاوہ خاندانی امور کے لیے خصوصی عدالتیں تشکیل دی گئیں جن کا مقصد صرف حق مہر کے مقدمات کی سماعت کرنا تھا۔ اس حکومتی فیصلے کو ایک درخواست گزار انصار برنی نے چیلنج کیا جس نے چیف جسٹس آفتاب حسین، جسٹس ظہور الحق اور ملک غلام علی پر مشتمل وفاقی عدالت میں درخواست دائر کی تھی۔ درخواست گزار نے موقف اختیار کیا کہ اسلامی قوانین کے تحت خواتین کو قاضی بننے کی اجازت نہیں اور اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ قانون شہادت کے تحت عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی ہے اور میراث میں اس کا حصہ بھائی سے آدھا ہے تو وہ مرد کی طرح قاضی کیسے بن سکتی ہے۔ لیکن اس کی عمر 40سال سے زیادہ ہونی چاہیے اور اس کو پردہ کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد فیڈرل شریعت کورٹ (ایف ایس سی) نے ایک فیصلہ دیا جس میں اعلان کیا گیا کہ عورت کو عمر اور لباس کی کسی حد کے بغیر قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ ایف ایس سی نے اپنے تفصیلی فیصلے میں یہ بھی بتایا کہ خواتین کے شواہد مرد کے مقابلے میں آدھے نہیں ہوتے اور خاتون جج پر صرف خاندان کی سماعت کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔[12]

3-پردہ اور چار دیواری

جنرل ضیاء الحق نے بطور صدر ایک نیا ضابطہ اخلاق قائم کرنے کی کوشش کی یہ انتظامی احکامات چادر اور چار دیواری کے نعرے کے تحت جاری کیے گئے جس کا مقصد خواتین کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔ معاشرے کے ایک بڑے طبقے نے انھیں خواتین کی نقل و حرکت کو کم کر کے خاص طور پر شہری خواتین کو الگ تھلگ کرنے

---

[11] Shehzadi Zamurrad Awan, "Impact of Zia-ul-Haq's Gender Polices on Pakistani Society", Included in "*Pakistan Journal of History and Culture*", vol xxx vii, No1, 2016, p. 26.

[12] "*The Pakistan Times*", August 10,1982.

کی کوشش کے طور پر سمجھا۔[13] جنوری 1983 میں پریس نے ایک حکومتی ہدایت کی اطلاع دی جس کے تحت خواتین جو پی ٹی وی پر نیوز پڑھتی تھیں ان کو کہا گیا کہ وہ میک اپ، فیشن اور ہیئر سٹائل سے گریز کریں پی آئی اے کے احکام نے اپنی خواتین ملازمین کے لیے ایک یونیفارم کے ڈیزائن کے ساتھ ساتھ نیشنلائزڈ یونیفارم کا حکم دیا یہ صرف خواتین کے لیے شرائط تھیں، حکومت نے خواتین اساتذہ کو بھی کلاس روم میں پڑھاتے وقت چادر پہننے کی ہدایت کی۔[14]

اس حکم خواتین کی سرگرمیوں کو بری طرح متاثر کیا گیا۔ تعلیم، کھیل اور کام کی جگہوں میں اسلامائزیشن کے اثرات مرتب ہوئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلامائزیشن کے بہانے حکومت نے خواتین کی سرگرمیوں کو محدود کر دیا۔

4- خصوصی ہدایت نامہ نیوز کاسٹروں کے لیے

حکومت نے سرکاری ٹیلی ویژن چینل کو مخصوص نظریات اور مذہبی پروگرام کو فروغ دینے کی اجازت دی۔ یہ بھی رائے دی گئی کہ خواتین کو ٹیلی ویژن کے پروگراموں سے روکا جانا چاہیے اور ان کا روزگار طب اور تدریس کے شعبوں تک محدود ہونا چاہیے نیوز چینلز کو خواتین نیوز کاسٹروں کے لیے خصوصی ہدایت نامہ ارسال کیا گیا جس میں زور دیا گیا کہ انھیں ڈریس کوڈ پر عمل کرنا چاہیے جس میں سر کے اوپر کا احاطہ کرنا اور مکمل آستین والی قمیض پہننا بھی شامل ہے۔ ریاست کے زیر کنٹرول میڈیا نے ان ہدایات پر سختی سے عمل کیا۔[15]

---

[13]Daily "*Jang*", March 21, 1982.

[14]Ahmad Hassan "From Islamabad with Love", Included in "*Dawn"* (Karachi) Star Supplement, 9 June 1983, P11.

[15]Shehzadi Zamurrad Awan, "Impact of Zia-ul-Haq's Gender Policies on Pakistani Society", Included in "*Pakistan Journal of History and Culture"*, vol xxxvii, No 1, 2016, p. 32.

دوپٹہ اور اس طرح کے دوسرے لباس یعنی اسکاف وغیرہ پہننا پاکستانی معاشرے میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔تاہم اس کی لمبائی کی وضاحت کرنا اور اس کا لازمی استعمال کرنا ایک مشکل ہدایت تھی۔دوسری بات یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے خصوصی طور پر خواتین کی نگرانی نے امتیازی ماحول پیدا کر دیا۔

5-خواتین کے لیے علیحدہ تعلیمی ادارے

ضیاء حکومت نے خواتین کے لیے علیحدہ یونیورسٹی کے قیام کے لیے اقدامات کیے۔ان کی رائے میں اعلیٰ تعلیمی اداروں میں خواتین کو مردوں کے ساتھ نہیں پڑھنا چاہیے بلکہ ان کو علیحدہ تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ حکومت نے خواتین کے لیے اسکولوں، سرکاری اداروں اور کالجوں میں ڈریس کوڈ کے ساتھ ساتھ ایک الگ خواتین یونیورسٹی کے قیام کا اعلان بھی کیا۔جنرل ضیاء کے خواتین کے لیے الگ یونیورسٹی کے قیام کے پروگرام کو مقبولیت حاصل ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ آبادی کا قدامت پسند طبقہ بیٹوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے بھیجنے میں ہچکچاہٹ کا شکار تھے۔[16]

تحریک نظریہ پاکستان کے صدر علامہ محمد رضی مجمد جو کہ ضیاء کی منتخب کردہ مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے انھوں نے خواتین کی علیٰحدہ یونیورسٹی کی مخالفت کرتے ہوئے اسے پیسے کا مکمل ضیاع کہا۔انھوں نے اسلام کے مطابق خواتین کے ساتھ مساوی سلوک پر زور دیا یہ بھی کہا کہ علیحدہ تعلیمی اداروں کی وجہ سے خواتین طبقہ مزید تنہائی کا شکار ہو جائے گا۔خواتین کے اداروں میں اعلیٰ تعلیم میں جنس کی علیحدگی خواتین کے فکری سوچ کے ساتھ ساتھ عوامی ملازمت کے امکانات کو بھی متاثر کر سکتی ہے۔[17]

6-کھیلوں کے مقابلے میں خواتین کی شرکت پر پابندی

ضیاء حکومت کی دوسری اہم ہدایت پاکستان سے باہر کھیلوں کے مقابلوں میں خواتین کی شرکت پر پابندی لگانا تھا۔یہ حکم نہ صرف صنفی مساوات کے خلاف تھا بلکہ قائداعظم محمد علی جناح کی طرف سے قائم کی گئی ایک مثال کی بھی نفی تھی، قائداعظم نے اپریل 1948ء میں پہلے پاکستان اولمپک گیمز کا افتتاح کیا تھا۔

---

[16]Daily "*Jasarat*", March 21, 1982.
[17]Ibid.

جس میں خواتین کھلاڑیوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ ضیاء حکومت کے کھیلوں میں خواتین کی شرکت پر پابندی لگانے سے خواتین کھلاڑیوں کو معذور کر دیا گیا اور انھیں مقابلہ کرنے اور بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے بین الاقوامی مواقع سے بھی محروم کر دیا گیا۔ اس وجہ سے خواتین کھلاڑی بین الاقوامی معیار سے پیچھے رہ گئیں۔ [18]

حکومت کی طرف سے یہ دلیل دی گئی کہ عورتوں کو مردوں کے سامنے نہیں کھیلنا چاہیے 1980ء سے 1984ء تک خواتین کھلاڑیوں اور کھیلوں کی ٹیموں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا کیونکہ اس عرصے میں چھ قومی اور بین الاقوامی مقابلوں میں خواتین حصہ نہ لے سکیں۔ خواتین کھلاڑیوں کی تصاویر بھی اخبارات میں شائع کرنے سے روک دیا گیا۔

7-خواتین کی ملازمت پر پابندی

مختلف سرکاری ملازمتوں پر خواتین کی تقرریوں اور ان کی تعلیمی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر بھی ضیاء کے دور میں پابندی عائد کی گئی۔ انھیں بنک سے متعلق ملازمتوں کے ساتھ غیر ملکی اسکالرشپ سے بھی روک دیا گیا۔ خواتین کو جو غیر شادی شدہ تھیں ان کی فارن سروس میں تقرریوں پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ [19]

خواتین کے کردار کو محدود کرنے کے لیے صرف تعلیم اور صحت کے شعبے میں ان کو ملازمت کرنے کی اجازت دی گئی۔ ضیاء الحق کے خواتین سے متعلق احکامات اور پالیسوں کی وجہ سے یہ تصور پیدا ہو گیا کہ

---

[18]Shehzadi Zamurrad Awan, "Impact, of Zia-ul-Haq's Gender Policies on Pakistani Society", Included in "*Pakistan Journal of History and Culture*", vol xxxvii, No 1, 2016, p. 33.

[19]Maleeha Aslam, "The Process and Impact of Idealizations of Islam in Pakistan", (Mphil Thesis), (Cambridge: University of Cambridge) available at: http://www.sasent .lu.se /EASASpapers/49 Maleeha Aslam Pdf.

مردوں کے لیے ہی عوامی اور نجی سرگرمیاں مخصوص ہیں اور عورت کا کردار بنیادی طور پر صرف گھریلو ہے۔[20]

8-خواتین کے لیے مخصوص تعلیمی نصاب

حکومت کی طرف سے نئے نصاب کی ہدایت بھی جاری کی گئی جس میں علماء کی طرف سے مذہبی تعلیم پر زور دیا گیا تھا۔ یہ علماء منفی تعصب پر مبنی خیالات رکھتے تھے۔ انھوں نے مذہبی اصولوں کا جبری مطالعہ کروایا۔ یہ مخصوص ہدایت صرف خواتین کے لیے نہیں تھی لیکن طالبات پر اس کے اثرات زیادہ مرتب ہوئے۔ نصاب میں جماعت ہشتم تک قرآن کا لازمی مطالعہ اور پوسٹ گریجویٹ سطح تک اسلامیات کا مضمون لازمی قرار دیا گیا۔ عربی کو بھی نصاب میں لازمی مضمون کے طور پر شامل کیا گیا۔ عربی کی تدریس کے لیے بہت سے عربی اساتذہ کو بھی بھرتی کیا گیا۔[21]

9- جہیز اور دلہن کے تحائف پر پابندی

صدر ضیاء نے جہیز اور دلہن کے تمام تحائف پر بھی پابندی عائد کر دی تا کہ غریب افراد بھی اپنی بچیوں کی شادی کر سکیں۔

خواتین کے حوالے سے چند مثبت اقدامات

ضیاء حکومت کی جانب سے خواتین کی زندگی کے سماجی معاشی اور سیاسی شعبوں میں مثبت اقدامات بھی کیے گئے۔

---

[20]Ibid.

[21]"*The Pakistan Times*", February 16, 1983.

1981ء کی مجلس شوریٰ میں 20 خواتین کو شامل کیا گیا۔ 1985ء میں قومی اسمبلی میں خواتین کا مخصوص کوٹہ غیر جماعتی طور پر 20 فیصد کر دیا گیا۔ انتخابات کے دوران 22 خواتین نے قومی اسمبلی میں شمولیت اختیار کی۔ صوبائی اسمبلی میں 14 خواتین داخل ہوئیں۔[22]

خواتین کے مسائل اور ان کے حل کے لیے خواتین ڈویژن کو تشکیل دیا گیا۔ اس کا مقصد خواتین کے مسائل کے لیے موثر پالیسیاں اور تحقیق کے ذریعے ان کا حل تلاش کرنا تھا۔ اس کا مقصد خواتین کی تنظیموں کی مدد کرنا بھی تھا تاکہ خواتین کی آبادی کو تعلیم اور روزگار کے مواقع فراہم کیے جاسکیں۔

خواتین ڈویژن اگر خود مختار طریقے سے کام کرتا تو دیہی اور شہری خواتین کے لیے کانفرنسوں اور تربیت کا اہتمام کرنے کا موقع مل جاتا خواتین ڈویژن میں خواتین کی لاعلمی کے بارے میں مشیل ماسکیل نے مشاہدہ کیا ہے کہ " ڈویژن نے خواتین کے لیے تحقیق اور ترقیاتی اسکیموں میں پیسہ لگایا ہے اور خواتین کے مسائل پر بحث کے لیے عوامی فورمز کو سپانسر بھی کیا ہے۔ پھر بھی اپنی تمام معمولی کامیابیوں کے لیے خواتین کی ضروریات کی نمائندگی کرنے میں نہ تو جرات مندانہ رہا ہے اور نہ ہی زیادہ کامیاب ہے۔"[23]

1988 کے بجٹ میں سرکاری ملازمین کی بیواؤں کے لیے مکمل پنشن کا اعلان کیا گیا جو کہ پہلے 60 فیصد تھی۔ بیوائوں کو پراپرٹی ٹیکس میں بھی رعایت دی گئی۔[24]

بجٹ میں ضیاء حکومت نے اعلان کیا دو سو ملین روپے کا جہیز فنڈ دیا جائے گا۔ اس میں مالی طور پر مستحکم اور مراعات یافتہ افراد نیز ادارے بھی سالانہ حصہ ڈال سکیں گے تاکہ غریب گھرانوں کی بیٹوں کی شادی ہو سکے۔[25]

[22]Shehzadi Zamurad Awan, "Impact of Zia-ul-Haq's Gender Polices on Pakistani Society" Included in "*Pakistani Journal of History and Culture",* vol xxxvii, No 1,2016, p. 35.

[23]Michelle Maskill, "The Impact of Islamization Policies on Pakistani Women's Lives," Montana State University, Working Paper, November 1984, p. 12

[24]Daily "*Dawn*", June 26, 1988, Jang June 26, 1988.

اسلامی لحاظ سے حدود کے قوانین کا جائزہ

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جو کہ زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ ایک مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام و ہدایت پر عمل کرے گا۔ احکام اور ہدایت صرف عبادتوں سے متعلق نہیں ہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں موجود ہیں ان میں فوجداری قوانین اور حدود شریعہ شامل ہیں۔

حدود شریعہ اُن سزاؤں کو کہا جاتا ہے جو مختلف جرائم کے لیے قرآن کریم یا نبی ﷺ کی سنت نے مقرر کی ہیں۔ اسلام کا قانون فوجداری بڑا لچکدار ہے اس میں صرف چند جرائم کے سواء کسی بھی دوسرے جرم کی کوئی سزا ہمیشہ کے لیے مقرر نہیں فرمائی گئی۔ تمام باقی جرائم کی سزا کا تعین حاکم وقت یا قاضی وقت پر چھوڑ دیا گیا ہے وہ حالات و واقعات کی مناسبت سے جو سزا چاہیں دے سکتے ہیں۔ اس کو تعزیر کہا جاتا ہے۔ صرف چند جرائم کو حدود کہا جاتا ہے۔ چوری، ڈاکہ، زنا، شراب، نوشی اور تہمت زنا حدود آرڈیننس میں شامل ہیں۔ حدود کے جرائم کی سزا کا فیصلہ وحی الٰہی کی طرف سے کر دیا گیا ہے۔[26]

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ، خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فِي بِلَادِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ))[27]

"اللہ کی زمین میں کسی ایک حد کا عملی نفاذ چالیس روز کی بارش سے زیادہ بہتر ہے۔"

اس لحاظ سے اسلامی ملک میں حدود کے نفاذ کی اہمیت واضح ہے۔ حدود اسلامی قانون کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ اصلاح معاشرہ کے لیے ضروری ہے جس کی بدولت جرائم کی روک تھام ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت کا

---

25 "1988-89 Ka wafaqi Buddget" (The Federal Budget of 1988-89). Daily "Jang" editorial, June 26, 1988

26 عثمانی، محمد تقی، "حدود آرڈیننس ایک علمی جائزہ"، (کراچی: بیت الکتب، نومبر 2006ء)، ص2

27 سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، حدیث 2537

کام صرف نفاذ حدود نہیں بلکہ ایک ایسا ماحول پیدا کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہے جہاں نفاذ حدود کی نوبت کم سے کم آئے۔ اگر حدود ٹھیک ٹھیک اور انصاف کے ساتھ نافذ کی جائیں تو ماحول پاکیزہ ہو جائے گا۔

تعزیرات پاکستان اور وفاقی شرعی عدالت

صرف حدود کے قوانین ہی نہیں بلکہ ملک کے پورے نظام کو بااثر اور طاقتور طبقات کے مفادات کے تحفظ کے لیے کھلا چھوڑا دیا گیا ہے۔ قوانین کا استعمال کمزوروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے نہیں بلکہ انھیں مزید پریشان کرنے اور زیر دست رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے اس لیے حدود قوانین کے خاتمہ کا مطالبہ کرنے کی بجائے ان پر ان کی روح کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ تعزیرات پاکستان کو وفاقی شرعی عدالت کے دائر کار سے باہر رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ ان میں پائی جانے والی خامیوں کے تدارک کے لیے کوئی تجویز نہیں دے سکتی۔ اس لیے ان کی اصلاح کی فوری ضرورت ہے۔

زنا بالجبر کی خواتین کے ساتھ ظلم

حدود آرڈیننس سے پہلے زنا بالجبر تو تعزیرات پاکستان کے تحت ایک جرم تھا۔ لیکن اگر مرد اور عورت باہمی رضامندی سے بدکاری کا ارتکاب کریں جیسے زنا بالرضا کہا جاتا ہے۔ تو یہ کوئی جرم نہیں تھا۔[28]

حدود آرڈیننس نے پہلی مرتبہ زنا بالرضا کو قانونی جرم قرار دیا جو حضرات پرانے انگریزی قانون کو بحال رکھنا مناسب سمجھتے تھے انھوں نے اس مطالبے کو عورت کے ساتھ ناانصافی کے خاتمے کا عنوان دے کر اعتراض کیا کہ جب سے حدود آرڈیننس نافذ ہوا ہے اس وقت سے جو عورتیں زنا بالجبر کا شکار ہوئی ہیں وہ اس خوف سے رپورٹ درج نہیں کراتیں کہ اگر وہ زنا بالجبر کی شکایت لے کر جائیں گی تو انھیں زنا بالرضا کے جرم میں دھر لیا جائے گا۔ یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ بہت سی ایسی خواتین جو مردوں کی طرف سے زیادتی کا شکار ہوئی تھیں زنا بالرضا کے مقدمے میں جیلوں میں پڑی ہیں اور جن مردوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی تھی وہ آزاد پھر

---

28 عثمانی، محمد تقی، ''حدود آرڈیننس ایک علمی جائزہ''، ص10

رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کوئی عورت زنا بالجبر کی شکایت لے کر آئی ہو اور مرد کو چھوڑ کر خود اسے زنا بالرضا میں سزا دی گئی ہو ایسا کسی بھی عدالت میں نہیں ہوا۔

صفیہ بی بی کا مقدمہ

ایک مقدمہ جس کو اس معاملے میں بہت شہرت حاصل ہوئی صفیہ بی بی کا مقدمہ تھا۔ یہ ایک 21 سالہ غیر شادی شدہ لڑکی تھی جسے بعض اخبارات میں غلط طور پر 13 سالہ لکھا گیا تھا اس کے باپ نے اس کے خلاف رپورٹ درج کرائی کہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے جب لڑکی کو گرفتار کیا گیا تو اس وقت اپنے دفاع میں کہا کہ میرے ساتھ فلاں شخص نے زبردستی زنا کیا تھا۔ لیکن وہ اپنا یہ دعویٰ ثابت نہیں کر سکی اس لیے ٹرائل رپورٹ نے اسے زنا بالرضا کے جرم میں تین سال کی سزا دیدی مگر مقدمہ فورا فیڈرل شریعت کورٹ کے سامنے اپیل میں چلا گیا اور فیڈرل شریعت کورٹ نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب عورت زنا بالجبر کا دعویٰ کر رہی ہے تو صرف حمل ظاہر ہونے کی بنا پر اسے زنا کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ اس لیے فیڈرل شریعت کورٹ نے اسے بری کر کے اس کی سزا مسترد کر دی۔ یہ تھا وہ مقدمہ جس کی بنیاد پر کہا گیا کہ زنا بالرضا کو جرم قرار دینے سے زنا بالجبر کا شکار ہونے والی عورتیں بے گناہ پکڑی جا رہی ہیں۔[29]

عدالتی تجربات

اغواہ اور زنا کے جو سینکڑوں مقدمات سنے گئے ہیں ان میں کم از کم نوے فیصد کیس ایسے ہیں جن میں سزا ہمیشہ مرد کو ہوئی اور عورت سزا سے بچ گئی بہت سے مقدمات میں لڑکی اپنی مرضی سے فرار ہوئی اور اپنی مرضی سے نکاح کیا لیکن جب ماں باپ اُسے برآمد کر لیتے تو وہ رپورٹ درج کراتی کہ مجھے زبردستی اغواء کر کے زنا بالجبر کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ جس مرد کے خلاف رپورٹ درج ہوتی وہ دفاع میں یہ کہتا ہے کہ لڑکی میرے ساتھ اپنی مرضی سے گئی تھی اور مجھ سے نکاح کیا تھا لیکن وہ نکاح کا کافی ثبوت پیش نہیں کر پاتا اس لیے اس کو

---

[29] عثمانی، محمد تقی، ''حدود آرڈیننس ایک علمی جائزہ''، ص 11

تعزیری سزا ہو جاتی اور لڑکی کو شک کا فائدہ دے کر کے چھوڑ دیا جاتا کئی جج صاحبان نے حدود آرڈیننس کے بارے میں تبصرہ کیا کہ یہ از خود فرار ہونے والی لڑکیوں کے حق میں ضرورت سے زیادہ نرم ہے جس کی وجہ سے عموماً سزائیں مرد کو ہی ہوتی ہیں اور عورت کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔[30]

چارلس کینیڈی کی تحقیق

امریکی اسکالر چارلس کینیڈی نے حدود آرڈیننس کے بارے باقاعدہ ریسرچ کی کہ خواتین اس کے تحت ظلم کا شکار ہو رہی ہیں یہ درست ہے یا غلط اس نے مقدمات کا سروے کیا اور اعداد و شمار جمع کیے اور اپنی تحقیق کے نتائج میں ایک رپورٹ پیش کی۔

یہ رپورٹ اس کے بالکل برعکس ہے جو حدود آرڈیننس کے ناقدین بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

> "Women fearing conviction under Section 10(2) frequently bring changes of rape under 10(3) against their alleged partners. The FSC finding no circumstantial evidence to support the latter charges, convict the male accused under section 10 (2) …. The women is exonerated of any wrong doing due to reasonable doubt rule."[31]

جن عورتوں کو دفعہ 10-2 کے تحت زنا بالرضا کے جرم میں سزایاب ہونے کا اندیشہ ہے۔ وہ اپنے مبینہ شریک جرم کے خلاف 10-3 کے تحت زنا بالجبر کا الزام لے کر جاتی ہیں۔ فیڈرل شریعت کورٹ کو چونکہ کوئی قرینہ ایسا نہیں ملتا جو زنا بالجبر کے الزام کو ثابت کر سکے۔ اس لیے وہ مرد ملزم کو دفعہ 10-2 کے تحت زنا

---

[30] عثمانی، محمد تقی، ''حدود آرڈیننس ایک علمی جائزہ''، ص 11

[31] Charles Kennedy, "The Status of Women in Pakistan" Included in "*Islamization of Law and Economy*", (Islamabad: Institute of Policy Studies, 1996), p. 74.

بالرضا کی سزا دے دیتا اور عورت شک سے فائدے والے قاعدے کی بنا پر اپنی ہر غلط کاری کی سزا سے چھوٹ جاتی ہے۔[32] چارلس کینیڈی کے سروے کے جمع کیے گئے اعداد و شمار کچھ یوں ہیں:

۱۹۸۰ء-۱۹۸۴ء کے دوران دی گئی سزائیں: مردوں اور عورتوں کا تناسب

	ضلعی عدالتیں			وفاقی شرعی عدالت		
جرم	مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت	کل تعداد
10(2)	145(56)*	144	259	71(70)	30	101
10(3)	163(99)	2	165	59(100)	0	59
11	128(97)	4	132	28(93)	2	30
16	67(86)	11	78	13(100)	0	13
18	62(100)	0	62	36(95)	2	38
12	41(100)	0	41	17(100)	0	17
14	20(91)	2	22	3(60)	2	5
19	7(78)	2	9	3(100)	0	3
5	5(56)	4	9	0	0	0
15	1(100)	0	1	0	0	0
زنا (تمام)	639(82)	139	778	230(86)	36	266
غیر زنا	159(95)	9	168	113(98)	2	115
میزان	798(84)	**148**	**946**	**343(90)**	**38**	**381**

10(2)= شادی شدہ زانی 10(3)= عصمت دری 11= اغوا 12= بدفعلی 14= عصمت فروشی میں ملوث کرنے کی سازش 16= جرم کی تحریص دلانا 18= عصمت دری کی کوشش 19= زنا کے جرم میں اعانت کرنا 5= شادی شدہ زانی پر حد کا نفاذ 15= دھوکہ دہی سے شادی کرنا.

اس نقشے میں 1980 سے 1984 تک پانچ سال کے ان مقدمات کا تجزیہ کیا گیا ہے جو حدود آرڈیننس کی مختلف دفعات کے تحت عدالتوں میں گئے اور دائیں کالم میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر دفعہ کے تحت

[32] Ibid.

ڈسٹرکٹ کورٹ سے کتنے مردوں اور کتنی عورتوں کو سزا ہوئی اور بائیں کالم میں یہ بتایا گیا ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ نے اپیل کے بعد کتنے مردوں اور کتنی عورتوں کی سزا کو بحال رکھا۔[33]

اس میں خاص طور پر دفعہ 10-(2) زنا بالرضا سے متعلق ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس دفعہ میں مرد چھوڑے جاتے ہیں اور سزا یافتہ خواتین سے جیلیں بھری ہوئی ہیں۔ سروے کے مطابق اس دفعہ کے تحت نچلی عدالتوں سے پانچ سال میں 145 مردوں کو سزا ہوئی اور 144 عورتوں کو لیکن جب ان کی اپیلیں فیڈرل شریعت کورٹ پہنچیں تو 145 مردوں میں سے صرف 71 مردوں کی سزا بحال رہی اور عورتوں میں صرف 30 خواتین کی یعنی پانچ سال میں صرف تیس خواتین ہیں جن کی سزائیں باقی رہیں۔ دوسری دفعہ 10-(3) ہے جو زنا بالجبر سے متعلق ہے۔ اس میں پانچ سال کے دوران 163 مردوں کو سزا یاب کیا گیا اور دو عورتوں کو لیکن فیڈرل شریعت کورٹ نے 163 مردوں میں سے 59 کی سزا بحال رکھی اور جن دو عورتوں کو ماتحت عدالتوں نے اس دفعہ کے تحت سزا سنائی تھی ان دونوں کی سزا کو فیڈرل شریعت کورٹ نے ختم کر دیا لہٰذا اس دفعہ کے تحت سزا یاب عورتوں کی تعداد صفر ہے۔

لہٰذا یہ اعتراض بھی بے بنیاد ثابت ہو گیا کہ حدود آرڈیننس عورتوں پر ظلم کا سبب بن رہا ہے اور اس کے تحت مردوں کے مقابلے میں عورتیں زیادہ سزا یاب ہو رہی ہیں۔[34]

خلاصہ بحث

جنرل ضیاء الحق کی مارشل لاء حکومت نے بہت سے اسلامی اقدامات کیے۔ مبصرین کے خیال میں حکومت کا اسلامائزیشن پروگرام مذہبی کی بجائے سیاسی نوعیت کا تھا۔ اسلامائزیشن کے اس عمل نے خواتین کی زندگیوں کو بھی متاثر کیا۔ حکومتی پالیسوں سے زیادہ تر شہری خواتین متاثر ہوئیں۔ ضیاء حکومت نے خواتین کے لیے بہت سی قانونی تبدیلیاں بھی کیں۔ حدود آرڈیننس کے اطلاق سے سب سے زیادہ خواتین متاثر ہوئیں۔ قانون شہادت اور قانون قصاص او

[33]Charles Kennedy, “The Status of Women in Pakistan” Included in “*Islamization of Law and Economy”*, (Islamabad: Institute of Policy Studies, 1996), p. 63.

[34]عثمانی، محمد تقی، ”حدود آرڈیننس ایک علمی جائزہ“، ص 13

ردیت سے بھی زیادہ خواتین متاثر ہوئیں۔ یہ دونوں خواتین کے ساتھ غیر مساوی سلوک کو ظاہر کرتے ہیں۔ خواتین کے قاضی بنے پر بھی پابندی لگادی گئی۔ حکومت نے عورت کے تحفظ کے لیے پردہ اور چار دیواری کا اقدام کیا لیکن اس اقدام سے عورتوں کی سر گرمیاں صرف گھر تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ خواتین معاشی لحاظ سے بھی متاثر ہوئیں۔ ملازمتوں میں صرف طب اور تدریس کے شعبے میں خواتین کو کام کرنے کی اجازت دی گئی۔ کھیلوں کے مقابلے میں ان کی شرکت پر پابندی عائد کر دی گئی۔ خواتین کے لیے مخصوص تعلیمی ادارے اور تعلیمی نصاب بنایا گیا۔ جدید ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کرنے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ مختصر یہ کہ خواتین کی سر گرمیوں کو ہر لحاظ سے محدود کر دیا گیا۔

اسلامی لحاظ سے عورتوں پر پابندیوں کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی یکساں حقوق دیتا ہے۔ اسلام مردوں اور عورتوں کے ساتھ مساوی سلوک کرنے کا درس دیتا ہے۔ عورتوں کو جائیداد میں بھی حصہ دیتا ہے اور ان کو ہر قسم کی تعلیمی اور معاشی سر گرمیوں میں حصہ لینے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ عورتوں پر بلاوجہ مخصوص پابندیاں لگانے سے ضیاء حکومت نے اسلامائزیشن کے عمل کو ایک تنقیدی عمل بنادیا۔ حکومتی اقدامات کے نتیجے میں صنفی امتیاز بھی پیدا ہوا جس کی بین الاقوامی طور پر بھی مذمت کی گئی۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License